© rasailojaraid.com



# مولانا شبلی نعمانی کی قومی شاعری

امجد علی شاکر

۱۸۵۷ء میں برصغیر کے مسلمانوں کو تاتاریوں کی یلغار کے بعد پہلی بار اس قدر بڑی شکست کا سامنا ہوا کہ ان کے سوچنے سمجھنے والے دماغ تہہ و بالا ہوگئے۔ اس واقعے نے انھیں ہر سطح پر متاثر کیا۔ تعلیمی حوالے سے انھوں نے جو تعلیمی ادارے قائم کیے اُس کے ایک سرے پر دیوبند تھا، دوسرے سرے پر علی گڑھ۔ سیاسی حوالے سے بھی انھوں نے مختلف فیصلے کیے۔ نصرۃ الابرار کے نام سے فتویٰ صادر ہوا کہ کانگریس میں شمولیت جائز ہے۔ سرسید احمد خان نے Indian Patriotic Association قائم کی۔ اس کے صدر بھی ایک ہندو تھے۔ سرسید کانگریس کی حمایت کو روا نہ جانتے تھے۔ ایسے ہی یہ سیاسی شکست ایک موضوعِ سخن کے طور پر سامنے آئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی مختلف تہذیبیں ایک تخلیقی محرک کے طور پر مختلف زبانوں کے ادب میں موجود تھیں، پہلی بار مسلم تاریخ ایک تخلیقی محرک کے طور پر سامنے آئی جس کا شاعری میں اولیں اظہار مسدس مدوجزر اسلام ہے۔ اس کا آخری باکمال اظہار اقبال کی شاعری ہے۔ حالی سے اقبال تک سفر میں علامہ شبلی نعمانی اور بعض دوسرے لوگ نظر آتے ہیں جن کا تذکرہ اردو ادب کے مورخ پر واجب ہے، خصوصاً علامہ شبلی نعمانی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مولانا حالی کی مسدس مدوجزر اسلام پہلی بار ۱۸۷۹ء میں شائع ہوئی۔ بہت سوں نے جواب میں تردیدی مسدس لکھے، مگر کسی کا نام تک زندہ نہ رہا۔ ان کے نام صرف تذکروں یا قدیم مصنفوں کے ہاں ملتے ہیں۔ مثلاً مولانا فاروق چریا کوٹی کے بارے میں مولانا سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

> ''مولوی فاروق صاحب چریا کوٹی صاحب ... اردو میں بھی نظمیں کہا کرتے تھے، ان میں سے دو مسدس اُن کے چھپے ہوئے ہیں۔ مسدس فاروقی اور مسدس عوالی۔ پہلے میں ضلع اعظم گڑھ کے ۱۸۹۳ء کے بلوہ کی روداد ہے، دوسرے میں مولانا حالی کے مشہور مسدس کا جواب لکھا ہے۔''(۱)

مولوی محمد فاروق کے والد اور بھائی سرسید کے ہم خیال تھے، مگر مولوی صاحب اپنے بھائی اور والد کے علی الرغم سرسید کے مخالف تھے۔ انھوں نے مسدس حالی کے صرف اُسی حصے کا رد لکھا جو سرسید کی حمایت میں تھا ورنہ مسدس کا بیشتر حصہ ایسا ہے جس سے کوئی مسلمان کم ہی اختلاف کرسکتا ہے۔ یہ مختصر سی نظم ہے، اس کی ضخامت کے بارے میں ڈاکٹر اصغر عباس لکھتے ہیں:

> مولوی فاروق اپنے والد اور بھائی کے علی الرغم سرسید کے افکار کے قائل نہیں ہیں۔ انھوں نے عوالی جواب مسدس حالی کے عنوان سے چوبیس صفحے کا ایک مسدس بھی لکھا ہے۔''(۲)

مرزا حیرت دہلوی نے خاصی تفصیل سے مسدس کا رد لکھا۔ اُن کا مسدس دو حصوں میں شائع ہوا۔ اس میں نثر بھی شامل ہے۔ مرزا نے تفصیل سے اور زوردار طریقے سے حالی کا رَد کرنے کی کوشش کی ہے، مگر حالی کا رد نہ ہوسکا۔ جو کچھ اُن کے رَد میں سامنے آیا، وہ ردی کے بھاؤ اُٹھ گیا، تاریخ ادب میں اُس کا گزر نہ ہوا۔ مرزا حیرت نے حالی پر جو تنقید کی، وہ فرقہ وارانہ لٹریچر کی یاد دلاتی ہے۔ مثلاً مولانا حالی نے مسلمانوں کو افلاس سے نکلنے اور دولت کمانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کی نصیحت کی ہے۔ حیرت نے اُس پر یوں نقد کیا ہے:

بھلا جب رسول خداوند برتر ہمارا جو اصلی ہے ہادی و رہبر
اُسے ایسی نفرت ہے دولت سے یکسر دعا تھی کہ ہوں میں غریب اور بے زر
تو پھر اُس کی امت ہو دولت کی خواہاں
کہ جس کا نبی تھا بہت جس سے ترساں (۳)

اس ایک بند سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مرزا حیرت نے بھی اس مسدس میں تخلیقی تحریک سیرت النبی ﷺ اور مسلم تاریخ سے حاصل کی تھی۔

مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء) مولانا حالی کی قومی شاعری خصوصاً مسدس مدوجزر اسلام سے متاثر ہوئے اور ایسی نظمیں لکھیں جن کا بنیادی تخلیقی محرک مسلم تاریخ ہے۔ تاریخِ ادب میں بہت کم شعراء ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے تاریخ سے تخلیقی تحریک حاصل کی اور تاریخ ہی کو شعر کا موضوع بنایا۔ تاریخی واقعات میں تخلیقی امکانات بہت کم ہوتے ہیں۔ صرف وہی تاریخی واقعات موضوع شعر و ادب بن سکتے ہیں جو تہذیب کا حصہ بن جائیں یا خود تہذیب بن جائیں۔ یہ مبحث تنقید ادب میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ بہرحال مولانا حالی کے بعد مولانا شبلی نے تاریخِ اسلام کو موضوعِ سخن بنایا اور اس میں کئی نئے شعری امکانات دریافت کیے۔ انھوں نے بعض تاریخی واقعات کی منظرکشی یوں کی ہے:

اُس عفیفہ نے یہ سُن کے کہا تو یہ کہا یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ اُمم
سب نے دی اُس کو بشارت کہ سلامت ہیں حضور گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ وپہلو و شکم
بڑھ کے اُس نے رُخِ اقدس کو دیکھا تو کہا تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہے سب رنج والم
میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہ دین ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم (۴)

(ایثار کی اعلیٰ ترین نظیر)

لاش لٹکی رہی سُولی پہ کئی دِن لیکن ان کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اتفاقات سے اک دن جو ادھر جا نکلیں دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں یکبار
ہوچکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

(خواتین عرب کا ثبات واستقلال)

اتفاقاً جو ادھر جا نکلیں کہ وہ موقع تھا سرِ راہ گزار
لاش بیٹے کی جو لٹکی دیکھی منھ سے بے ساختہ نکلا ایک بار
اب بھی منبر سے نہ اُترا یہ خطیب
اب بھی گھوڑے سے نہ اُترا یہ سوار

(خواتین عرب کا ثبات واستقلال)

اِن اشعار کی خوبصورتی دیکھنے کی ہے۔ خصوصاً دوسرے اور تیسرے اجزا کے آخری اشعار منبر اور خطیب، گھوڑا اور سوار کی علامتیں ایسی ہیں جو اسلامی تاریخ کے ساتھ اسلامی تہذیب کو یکجا کررہی ہیں۔ یہ علامتیں تاریخی اہمیت بھی رکھتی ہیں، تہذیبی حیثیت بھی، تاریخ اور تہذیب یکجا ہوجائیں تو بڑی شاعری کا امکان پیدا ہوجاتا ہے۔ جیسے اقبال کی نظمیں مسجد قرطبہ اور ذوق وشوق، دبیر اور انیس کے مراثی وغیرہ۔

مولانا شبلی نعمانی مولانا حالی کی طرح سرسید احمد خاں کے رفیق کار بھی تھے، معتقد اور مداح بھی۔ مولانا حالی نے مسدس میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی کہانی سنا کر نشاۃ ثانیہ کو سرسید تحریک سے منسلک کیا ہے، مولانا شبلی نعمانی نے بھی مثنوی صبح اُمید میں یہی انداز اپنایا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی تاریخ اسلام کو DISOWN نہیں کرتے، بلکہ تاریخ اسلام کو اسلام کی حقانیت کی دلیل کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ بہرحال وہ تاریخ اسلام کی عظمتوں کے ساتھ سرسید کا رشتہ قائم کرتے ہیں۔ شبلی نے ''سلسلۂ ناموران اسلام'' پر تصنیف وتالیف کا کام کیا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے مندرجہ ذیل عظما کے سوانح لکھے:

۱۔ خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر فاروقؓ پر الفاروق
۲۔ خلفائے عباسیہ میں سے مامون الرشید پر المامون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۳۔ فقہائے اسلام میں سے حضرت امام ابوحنیفہؓ پر سیرت النعمان

۴۔ حکمائے اسلام میں سے حضرت امام غزالیؒ پر الغزالی

۵۔ صوفیائے اسلام میں سے مولانا روم پر سوانح مولانا روم

۶۔ آخر میں کائنات کی عظیم ترین ہستی پر سیرۃ النبی ﷺ

علامہ شبلی نے اپنی شاعری میں مندرجہ بالا میں سے حضرت فاروق اعظمؓ اور سرورِ کونین ﷺ کے عہدِ سعادت خیر القرون کے واقعات کو موضوع بنایا ہے۔ ان کے علاوہ انھوں نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کے واقعۂ شہادت، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد کے واقعہ، عدلِ جہانگیری اور اورنگ زیب عالمگیر کو موضوع بنایا ہے۔ علامہ شبلی نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے واقعۂ شہادت کو بہت دل گداز انداز میں بیان کیا ہے۔ ظاہر ہے شہادت ایک ایسا عمل ہے جو مسلمانوں کی تاریخ و تہذیب میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اسلام کی پیش کردہ اقدار میں اس کو ایک عظیم قدر کے طور پر جانا جاتا ہے۔ واقعۂ کربلا کو اسی عمل نے وہ عظمت بخشی ہے کہ اُس کے حوالے سے عظیم ادب تخلیق کیا گیا۔

شبلی نے تاریخ اسلام سے اُن واقعات کو چنا ہے جن میں اعلیٰ اسلامی اقدار یعنی شہادت، ایثار، عدل، بے تعصبی، بے ریائی، شرف انسانی اور دیگر انسانی اور اسلامی اقدار پائی جاتی ہیں۔ اِن اقدار نے مسلمانوں کی تہذیبوں کو عظمت بخشی ہے اور مسلم تاریخ کو قابلِ فخر بنادیا ہے۔ شبلی سمجھتے تھے کہ زوال اقتدار کے جانے کا نام نہیں، اقدار کے ترک کرنے کا نام ہے۔ انھوں نے تاریخِ اسلام سے ایسے واقعات منتخب کیے جن میں اقدار موجود ہیں۔ انھوں نے جس طرح سلسلۂ ناموران اسلام کے سوانح لکھ کر اُن سے علم کلام کا کام لیا، ویسے ہی انھوں نے نظمیں لکھ کر اُن سے علم کلام کا کام لیا اور انھیں اسلام کی حقانیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ چند مثالیں دیکھیے:

اک اور نفس پاک بھی ان سب کا تھا شریک — جو آب و گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا
کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت — سینہ غبارِ خاک سے سب گرد فام تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سمجھے کچھ آپ کون تھا اُن کا شریکِ حال یہ خود وجودِ پاک رسولِ انام تھا (۷)

(تعمیر مسجد نبوی)

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
یوں کی ہے اہل بیتِ مطہر نے زندگی یہ ماجرائے دخترِ خیر الانام تھا (۸)

(اہل بیت رسول ﷺ کی زندگی)

مفتیِ دین سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن
مفتیِ دین نے بے خوف و خطر صاف کہا شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اُڑا دو گردن
لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اُٹھے پر جہانگیر کے ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن
ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جا کر پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن
پھر اُسی طرح اُسے کھینچ کے باہر لائیں اور جلاد کو دیں حکم کہ ہاں تیغ بزن
یہ وہی نور جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی تھی جہانگیر کے پردے میں شہنشاہِ زمن
اُس کی پیشانیِ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ جا کے بن جاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن
اب نہ وہ نور جہاں ہے نہ وہ اندازِ غرور نہ وہ غمزے ہیں نہ وہ عربدۂ صبر شکن
اب وہی پانو ہر اک گام پہ تھراتے ہیں جن کی رفتار سے پامال تھے مرغانِ چمن
ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع ایک بیکس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن (۹)

(عدل جہانگیری)

یہ نظمیں فنی پختگی کی مظہر بھی ہیں اور شبلی کے دلِ دردمند کی جستجو و آرزو بھی۔ عدل جہانگیر کے محولہ بالا اقتباس کے آخری شعر دیکھیں، ان میں منظر نگاری، جزئیات نگاری اور ڈراما سا ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔اس اقتباس میں یہ شعر دیکھنے کا ہے:

اُس کی پیشانیِ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ
جا کے بن جاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



محمد حسین آزاد نے شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں جہانگیر کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ اُن کی نثر کا کمال ہے۔ اس شعر میں شبلی نے اُسی تفصیل کو شعر بنایا ہے تو اس انداز میں کہ ان دو مصرعوں میں شبلی کا ایجاز و اختصار اعجاز بن گیا ہے۔ اوراقِ حکومت پہ شکن بن جانا شبلی کا کیا خوب مصرع ہے۔ ایسے ہی محولہ بالا اقتباس میں آخری اشعار بھی ہر طرح داد کے مستحق ہیں۔ آخری شعر تو ہمیں انیس کی یاد دلاتا ہے۔

شبلی سرسید کے رفیق تھے۔ اگر چہ آخری عمر میں وہ سرسید کا ساتھ چھوڑ گئے، مگر وہ ایک عرصے تک اُن کے ساتھ رہے۔ ٹرسٹی بل کے مسئلہ پر مولانا حالی جیسے لوگ بھی سرسید کا ساتھ نہ دے پائے۔ اس موضوع پر تحقیق فی الحال ہمارا موضوع نہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس بل پر جن لوگوں نے ہنگامہ کیا اور جس مقصد کے لیے ہنگامہ کیا، وہ یونیورسٹی کی محبت میں کم اور سید محمود کی مخالفت میں زیادہ تھا۔ سید محمود کی مخالفت کی وجہ اُن کی شراب نوشی نہیں تھی، اُن کی جرأت مندی تھی جو وہ انگریز چیف جسٹس کے سامنے دکھا چکے تھے۔ شبلی نعمانی انگریز پرست نہیں تھے، بلکہ حریت پسند تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ٹرسٹی بل کے حامی تھے۔ وہ سرسید کی انگریز دوستی کی تائید کم اور تاویل زیادہ کرتے تھے۔ اس سلسلے میں اُن کے دو اشعار بہت اہم ہیں:

کوئی پوچھے تو میں کہہ دوں گا ہزاروں میں یہ بات
روشِ سید مرحوم خوشامد تو نہ تھی
ہاں مگر یہ ہے کہ تحریکِ سیاسی کے خلاف
اُن کی جو بات تھی آورد تھی آمد تو نہ تھی (۱۰)

مولانا شبلی نعمانی نے سرسید احمد خاں اور سید محمود کی مدح کی اور دل کھول کر کی۔ اس سلسلے میں اُن کی مثنوی ''صبح اُمید'' بہت اہم ہے۔ اس کا تعارف آل احمد سرور نے یوں کرایا ہے:

''شبلی نے یہ مثنوی علی گڑھ پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۸۸۴ء میں کہی تھی۔ اس کی بحر وہی ہے جو مثنوی گلزارِ نسیم کی ہے۔ اس میں اُس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پرانی روایت کی پیروی کی گئی ہے کہ ہر باب کے شروع میں کوئی شعر دیا جائے یہ اشعار سب کے سب فارسی میں ہیں اور بذات خود منتخب ہیں۔ آخر میں مثنوی کی بحر میں عربی میں ایک شعر ہے اور نظیری کے مشہور شعر میں تصرف کرکے اسے خاتمے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے:

سرگذشت عہد گل را ہم زشبلی می شنو

عندلیب آشفتہ تر گفت است این افسانہ را (۱۱)

یہ مثنوی زیادہ طویل نہیں ہے۔ اس کے اشعار کی تعداد تین سو چون ہے۔ اس میں خاتمہ کے مذکورہ شعر کے علاوہ پانچ (۵) فارسی اشعار ہیں۔ یہ شبلی کے زور قلم کا ثبوت ہیں۔ ان میں سے دو اشعار بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں:

کس ندانست کہ منزل گہ مقصود کجاست

این قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

.........

زشرح قصۂ مارفتہ خواب از چشم خاصاں را

شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد (۱۲)

شبلی فارسی زبان کے نغز گو شاعر تھے۔ اس کا ثبوت اُن کا فارسی کلام ہے، اُن کی غزلیات اُن کے فن اور فکر کا کمال ہیں۔ وہ خود کو شبلی غمزدہ لکھتے تھے۔ اُن کی فارسی غزلیات اس کا ثبوت ہیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے شبلی کی عشقیہ زندگی کو اُن کی زندگی کے واقعات اور کمزور روایات میں ڈھونڈا، کاش وہ ''شبلی کی عشقیہ زندگی'' کو اُن کی فارسی غزلیات میں تلاش کرتے تو یہ خاصے کا کام ہوسکتا تھا۔

مولانا شبلی نعمانی نے صبحِ اُمید کا آغاز مسلمانوں کے عروج سے کیا ہے، لیکن اُن کا موضوع حالی کی طرح مسلمانوں کا عروج و زوال نہیں، اس لیے وہ جلد ہی زوال کا نقشہ کھینچتے اور پھر سرسید احمد خاں کا ذکر آغاز کرتے ہیں۔ وہ بات جو مولانا حالی کے ہاں تفصیل میں ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



وہی مولانا شبلی کے ہاں اختصار میں بیان ہوگئی ہے۔ شبلی بھی مولانا حالی کی طرح مسلمانوں کے سیاسی عروج کے ساتھ ساتھ علمی عروج کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ ایسے ہی زوال کی تصویر دکھاتے ہوئے سماجی وادبی ماحول کی تصویر کشی بھی کرتے ہیں۔

کیا یاد نہیں ہمیں وہ ایام جب قوم تھی مبتلائے آرام
وہ قوم کہ جانِ تھی جہاں کی جو تاج تھی فرقِ آسماں کی
تھے جس پہ نثار فتح و اقبال کسریٰ جو کر چکی تھی پامال
گل کر دیے تھے چراغ جس نے قیصر کو دیے تھے داغ جس نے
وہ نیزۂ خوں فشاں کہ چل کر ٹھہرا تھا فرانس کے جگر پر
روما کے دھوئیں اُڑا دیے تھے اٹلی کو کنوئیں جھنکا دیے تھے
بایں ہمہ جاہ و شوکت و فر اقلیم ہنر بھی تھے مسخر
ہیئت میں بلند پایہ اُس کا تھا فلسفہ زیر سایہ اُس کا
منطق میں ہوا جو گرم جولاں تھامے تھا رکاب مصر و یوناں (۱۳)

عروج کی یہ تصویر مولانا حالی کی پیش کردہ تصویر سے مختلف نہیں، مگر اس میں شبلی کا خاص مزاج بہرحال موجود ہے وہ پرجوش انداز جو شبلی کی نثر کا خاصہ ہے، اُن کی نظم میں بھی موجود ہے۔ ان چند شعروں میں شبلی نے جو فنی خوبصورتی پیدا کی ہے، وہ قابل دید بھی ہے، قابلِ داد بھی ہے۔ یہی وہ مزاج ہے جو تحریکِ خلافت کے مقررین کا خاصا ہوگیا۔ یہ مثنوی گلزار نسیم کی بحر میں ہے، اس میں قیصر کو دیے تھے داغ جس نے پڑھ کر بے ساختہ گلزارِ نسیم یاد آتی ہے۔

آگے چل کر شبلی مسلمانوں کے زوال کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ یہاں اجمال نہیں تفصیل ہے۔ اختصار کی بجائے تطویل ہے، مگر یہ طوالت لاطائل نہیں۔ مولانا کا مقصد مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال کی کمزوریاں دکھا کر سرسید احمد خاں کی خدمات کو نمایاں کرنا ہے۔ زوال کی تصویر دیکھیے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پستی نے دبا لیا فلک کو خورشید ترس گیا چمک کو
اب خضر کو گمرہی کا ڈر ہے عیسیٰ کو تلاشِ چارہ گر ہے
جو ابر ابھی برس گیا ہے اک بوند کو اب ترس گیا ہے
اسلام کی جان پر بنی ہے دم توڑ رہا ہے جانکنی ہے (۱۴)

........

دولت سے جو ہاتھ دھو چکے تھے ہم علم و ہنر بھی کھو چکے تھے
وہ فلسفۂ کہن ہمارا گنجینۂ علم دفن ہمارا
وہ اوجِ کمالِ نکتہ دانی یعنی وہ مسائل معانی
منقول کی انتہائے تکمیل آئین و اصولِ جرح و تعدیل
ترتیبِ گزارشِ دلائل اس طرح کے اور بھی مسائل
اندوختۂ سلف تھا جو کچھ وہ لعل تھے یا خزف تھا جو کچھ
تھے ذرۂ خاک یا ستارے اب کچھ بھی نہیں ہاتھ میں ہمارے (۱۵)

آگے بڑھ کر شبلی ہماری ادبی صورتِ حال بیان کرتے ہیں۔ یہ صورتِ حال میر و غالب کی شاعری کی نہیں، مگر ہماری پنچایتی شاعری کی خوبصورت تصویر ہے۔ اس طرح کی شاعری مقبول عام بھی تھی اور اُس سے زیادہ مقبولِ عوام۔ یہ شاعری مشاعروں میں چھتیں اڑا دیتی تھی۔ حالی نے بھی ایسی شاعری کی مذمت کی ہے اور جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے کہہ کر اس شاعری سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔ شبلی نے بھی ایسی شاعری کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

بیہودہ فسانہ ہائے پادیں زلف و خط و خال کے مضامیں
وہ نوکِ مژہ کی نیزہ بازی وہ ترک نگہ کی فتنہ سازی
یہ طرزِ خیال تھا ہمارا یہ فن یہ کمال تھا ہمارا
جغرافیۂ وجود سارا ہر چند کہ ہم نے چھان مارا
کی سیر بھی گرچہ بحر و بر کی لیکن نہ خبر ملی کمر کی (۱۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



زوال کی یہ تصویریں دیکھتے ہوئے شبلی کے کمالِ فن کو داد دینا پڑتی ہے۔ وہ مبالغہ اور جوش جو شبلی کی تاریخ میں کمزوری بن گیا ہے، شاعری میں خوبصورتی بن گیا ہے۔ ان اشعار کی روانی بے ساختگی معلوم ہوتی ہے۔ ایک شعر تو اس قابل ہے کہ وہ ضرب المثل بن سکے:

اب خضر کو گمرہی کا ڈر ہے
عیسیٰ کو تلاشِ چارہ گر ہے

شبلی سیاسی، علمی اور ادبی زوال سے آگے بڑھتے ہیں اور سماجی زوال کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ اس تصویر میں علماء اور عوام سبھی کی تصویر کشی کی گئی ہے:

تکفیر ہمارا ہی چلن تھا زندیق تو تکیۂ سخن تھا
اللہ رے یہ وفورِ غفلت سمجھے تھے رواج کو شریعت
سمجھے نہ ذرا وقت کیا ہے کیا سمت زمانہ چل رہا ہے
نیرنگیوں پر نہ کچھ نظر تھی یعنی کہ ہوا ہے اب کدھر کی
جس بزم کے مے گسار تھے ہم جس ملک کے تاجدار تھے ہم
چلے جو چلے نئی ہوا کے آغوش میں آگیا فنا کے
ہاں اور جو قافلے رواں ہیں سب بادِ صبا کے ہم عناں ہیں
لیکن نقش زمیں رہے ہم بیٹھے تھے جہاں وہیں رہے ہم (۱۷)

ان اشعار میں کئی کہانیاں ہیں۔ مثلاً رواج کو شریعت سمجھنا برصغیر کے مسلمان دیہی معاشرے کا المیہ رہا ہے۔ ہمارے بعض دیہات میں قانونِ وراثت رواج پر مبنی تھا۔ دوسرے امور بھی رواج کے مطابق طے ہوتے تھے۔ فیمنیسٹ تحریک کی خواتین کو یہ تاریخ ہی معلوم نہیں کہ ہمارے علماء نے بیٹیوں کو وراثت میں حصہ دلانے کے لیے کتنی جدوجہد کی، اس مقصد کے لیے کتنی کتابیں لکھیں، کتنے وعظ کیے اور جاگیرداروں کے ہاتھوں کیا کیا دُکھ اُٹھائے۔ محولہ بالا اشعار میں آخری چار اشعار کو دیکھیے، یہ برصغیر کی تاریخ ہیں۔ اس میں آخری سے پہلے (سیکنڈ لاسٹ) شعر میں بنگالی ہندوؤں کی سیاسی، سماجی اور تعلیمی زندگی کی تصویر پیش کی گئی ہے یہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ساری کہانی ہے جو سرسید کے خطبات میں ملتی ہے، مضامین میں ملتی ہے اور مکتوبات میں ملتی ہے۔ وہ ساری کہانی جس کے لیے سرسید نے دفتر لکھ دیے تھے، شبلی نے چند لفظوں میں بیان کردی ہے۔ شعر بھی کیا کمال کے ہیں:

ہاں اور جو قافلے رواں ہیں سب
سب بادِ صبا کے ہم عناں ہیں

.......

لیکن نقش زمیں رہے ہم
بیٹھے تھے جہاں وہیں رہے ہم

ان اشعار کے شعری حسن کو دیکھیں تو شبلی کے کمالِ فن کو داد دینا پڑتی ہے۔ ایک اور بات جو شبلی کے ہاں دیکھنے کی ہے، وہ ہے اُن کا وقت کا تصور۔ وہ وقت کو ساکن (Static) نہیں سمجھتے۔ زمان کا متحرک تصور شبلی کو صاحبِ نظر ثابت کرتا ہے۔ وقت کا متحرک تصور اقبال کا کمال فکر خیال کیا جاتا ہے۔ یہی بات ہمیں شبلی کے ہاں ملتی ہے۔ اُنہوں نے علم الکلام اور الکلام میں وہی فکر پیش کی ہے جو آگے چل کر اقبال کی تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ میں بھرپور شکل میں سامنے آئی ہے۔ زمان کے بارے میں شبلی کوئی باقاعدہ فلسفہ تو نہیں رکھتے تھے، مگر زمان کو متحرک ضرور خیال کرتے تھے۔ وہ نئی فکر کو قبول کرنے کی اہلیت رکھتے تھے اور زمانے کی بدلتی ہوئی یا بدلی ہوئی صورتوں کو تسلیم کرتے تھے۔

شبلی نعمانی قومی زوال کی تصویر دکھانے کے بعد سرسید احمد خاں کی مدح کی طرف آتے ہیں اور کمالِ فن سے اُن کی تحسین کرتے ہیں۔ یہاں چند ایک شعر دیکھتے چلیں:

صورت سے عیاں جلال شاہی چہرے پر فروغِ صبح گاہی
وہ ریشِ دراز کی سفیدی چھٹکی ہوئی چاندنی سحر کی
پیری سے کمر میں اک ذرا خم ہے توقیر کی صورتِ مجسم
وہ ملک پہ جاں دینے والا وہ قوم کی ناؤ کھینے والا (۱۸)

.......

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



امید کی بڑھ گئی تگ و تاز اونچی ہوئی حوصلوں کی پرواز
وہ دوڑ چلے جو پا بہ گل تھے آندھی ہوئے جو فسردہ دل تھے (۱۹)

اِن اشعار میں سرسید احمد خاں کی جو تصویر پیش کی گئی، وہ خالی خولی مداحی نہیں، حقیقی تصویر ہے۔شبلی نے حالی کی حیات جاوید پر مدلل مداحی ہونے کا اعتراض کیا، دراصل مدلل مداحی سرسید احمد خاں کی مدح میں شبلی کے اشعار کو کہا جاسکتا ہے۔ان اشعار پر آل احمد سرور کا تبصرہ بہت موزوں ہے:

> ''شبلی نے یہاں کئی جگہ دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔استعارے سے اکثر کام لیا ہے۔اشعار میں بلا کی روانی ہے''جو تاج تھی فرقِ آسماں کی'' یا خورشید ترس گیا چمک کو''، وہ اوج کمالِ نکتہ دانی''،''صورت سے عیاں جلال شاہی''،''چہرے پہ فروغِ صبحگاہی''،''چھٹکی ہوئی چاندنی سحر کی''،''وہ خضر طریق راہنمائی''،''تھا زہر پہ قندناب کے ساتھ'' ہر مصرع اپنی داستان کہتا ہے۔جس ایجاز و اختصار کی وجہ سے ''گلزارِ نسیم'' کی شہرت ہے وہی ایجاز و اختصار اور وہی بلاغت یہاں بھی جلوہ گر ہے۔فرق یہ ہے کہ وہاں حسن و عشق اور جادو و طلسم کی منظر کشی ہے یہاں قوم کے امراض اور مریضِ غم کی چارہ گری کا بیان ہے۔'' (۲۰)

شبلی کا ہر مصرع متحرک دکھائی دیتا ہے اور بولتا ہوا سنائی دیتا ہے۔داڑھی کی سفیدی کو فروغِ صبح گاہی کہنا ایسی تشبیہ ہے جس کی داد دینا مشکل ہے۔ایسے ہی وہ دوڑ چلے جو بہ گل تھے میں جمود اور حرکت کی ایسی تصور ہے جو داد سے بلند ہے۔بہر حال شبلی نے اس نظم میں فصاحت و بلاغت کا کمال دکھایا ہے۔اس نظم کی داد دیتے ہوئے محمد نعمت اللہ لکھتے ہیں:

> ''مثنوی (صبح امید) کا بے ساختہ مضمون، اُس کے الفاظ کی سادگی اور بندش کی روانگی باوجود خدوخال کی تعریف اور مبالغہ آمیز باتوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خالی ہونے کے دل میں گھر کرتی ہے اور باوجود نہایت پختگی و سنگینی کلام کے دل پر نہایت سبک اور خوش آیند معلوم ہوتی ہے۔" (۲۱)

علامہ شبلی علی گڑھ میں رہتے ہوئے ہر اہم تقریب میں کوئی نہ کوئی نظم ضرور پڑھتے تھے۔ سرسید احمد خاں نے علی گڑھ مین قومی تھیٹر سجایا، اس موقع پر علامہ نے تماشائے عبرت کے عنوان سے ایک مسدس پڑھا۔ جسٹس محمود کی شادی پر ایک قصیدۂ تہنیت پڑھا۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ۱۸۹۳ء کے موقع پر ایک قصیدۂ اردو پڑھا۔ ایسے ہی ۱۸۹۴ء میں ایک قصیدہ پڑھا۔ ہر نظم میں یقیناً ایک بات ہے۔ جسٹس سید محمود کی شادی کی تقریب میں شبلی نے جو قصیدہ پڑھا، وہ خالی خولی مداحی نہیں، عرض حال ہے، سید محمود کے فیصلوں میں جو اختصار اور کمال ہوتا تھا، شبلی اُس کی داد دیتے ہوئے کہتے ہیں:

ہیں تری نکتہ شناسی کے سراپا شاہد
فیصلے صدر میں تو نے جو لکھے قل و دل
اِک جہاں مان گیا زورِ قلم کو تیرے
شرع کے معنیِ پیچیدہ کیے تو نے جو حل (۲۲الف)

شبلی اسی موقع پر سید محمود کو سرسید احمد خاں کا جانشین ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں:

باپ کی طرح سے تو باپ کا بن پشت و پناہ
جانشینی کے لیے کون ہے تجھ سے افضل (۲۲ب)

آخر میں شبلی کی انا بول پڑتی ہے۔ وہ مداحی کے لیے بنے ہی نہیں تھے۔ کس خوبصورتی سے قصیدے کا اختتام کرتے ہیں کہ قصیدہ مدح پہ نہیں تعلّی پر ختم ہوتا ہے:

مجھ کو خود حسنِ طبیعت پہ ہے اپنے وہ غرور
کہ لکھوں مدح تو اپنا ہی لکھوں علم و عمل
میں بھی ہوں عنصری وقت جو محمود ہے تو
میں بھی ہوں نازِ سلف تو ہے اگر فخرِ اول (۲۲ج)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مسدس اور دوسرے قصائد میں اُن کا زیادہ تر موضوع مسلم تاریخ رہی ہے۔ مثلاً مسدس 'تماشائے عبرت' کے تین بند دیکھیے:

کون تھا جس نے کیا فارس و یوناں تاراج　　کس کی آمد میں فدا کردیا جے پال نے راج
کس کو کسریٰ نے دیا تخت و زر و افسر و تاج　　کس کے دربار میں تاتار سے آتا تھا خراج
تجھ پہ اے قوم اثر کرتا ہے افسوں جن کا
یہ وہی تھے کہ رگوں میں ہے ترے خوں جن کا

مرو و شیراز و صفاہاں کے وہ زیبا منظر　　بیت حمرا کے وہ ایوان و دیوار و در
مصر و غرناطہ و بغداد کا ایک ایک پتھر　　اور وہ دہلی مرحوم کے بوسیدہ کھنڈر
ان کے ذروں میں چمکتے ہیں وہ جواہر اب تک
داستانیں انھیں سب یاد ہیں از بر اب تک

اُن سے سُن لیں کوئی افسانۂ یارانِ وطن　　یہ دکھا دیتی ہیں آنکھوں کو وہی خواب کہن
تیرے ہی نام کا اے قوم وہ گاتے ہیں بھجن　　تیرے ہی نغمۂ پُردرد کے ہیں یہ ارگن
پوچھتا ہے جو کوئی اُن سے نشانی تیری
یہ سُنا دیتے ہیں سب رام کہانی تیری (۲۳)

مختصر یہ کہ شبلی نے قومی نظموں اور جدید نظموں میں مسلم تاریخ سے شاعری کشید کی ہے، حالانکہ یہ مشکل کام تھا۔ اُنھوں نے اسے آسان کرلیا۔ شاعری تہذیب سے پھوٹتی ہے، مگر شبلی نے تاریخ سے شعری تحریک حاصل کی ہے اور اسے موضوع بنایا ہے۔ یہ حالی کی مسدس کا موضوع تھا جو اُن سے ہوتا ہوا علامہ اقبال تک پہنچا۔ مسدس نے مسلم تاریخ کو موضوعِ سخن بنایا۔ اقبال نے اسے اوجِ کمال تک پہنچایا۔ درمیان میں شبلی آتے ہیں۔ اُن کی شاعری اس سلسلے میں ایک اہم کڑی ہے۔ انھوں نے حالی کی مسدس کو آگے بڑھایا۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنے عہد کے قومی اور سیاسی واقعات کو موضوعِ شعر بنایا۔ ان واقعات میں طرابلس اور بلقان کی جنگیں، مسلم لیگ، مسجد کانپور کا واقعہ، مسلم یونیورسٹی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مسائل اور پہلی جنگِ عظیم شامل ہیں۔ مسلم لیگ مختلف حوالوں سے اُن کا موضوع رہی ہے۔ اُن کا ذہنی جھکاؤ کانگریس کی طرف تھا۔ وہ مسلم لیگ کی بے عملی اور سرکار پرستی کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ انھوں نے مسلم لیگ پر بہت سی نظمیں لکھیں۔ ان نظموں میں طنز وتعریض کے بہت سے انداز و اطوار ملتے ہیں۔ اُن کا یہ نظمیں برصغیر کی تاریخ ہیں اور تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان نظموں میں اکبرالہٰ آبادی کا سا طنز جھلکتا ہے، مگر اکبر کا دائرہ زیادہ وسیع تھا۔ وہ ایک نئی تہذیبی تبدیلی کو بیان کررہے تھے۔ شبلی ایک عہد سیاسی کو بھی بیان کررہے تھے، قومی مسائل کو بھی پیش کررہے تھے۔ ہمارا معاشرہ تاریخ سے بھاگتا ہے، اس لیے شبلی کی نظموں سے صرفِ نظر کرلیا جاتا ہے۔ جب کبھی ہم لوگوں نے اپنی تاریخ پڑھی تو شبلی کی نظمیں تاریخ کی تفہیم میں معاون ہوں گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ نظمیں صرف تاریخی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کی بہرحال ایک ادبی اہمیت ہے۔ ہنگامۂ طرابلس و بلقان پر شبلی نے شہر آشوب اسلام لکھی تھی۔ اس نظم کے چند اشعار دیکھیے:

جو گونج اُٹھے گا عالم شورِ ناقوس کلیسا سے — تو پھر یہ نغمۂ توحید گلبانگ اذاں کب تک
بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراقِ اسلامی — چلیں گی تند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کب تک
کہیں اڑ کر نہ دامانِ حرم کو بھی چھو آئے — غبارِ کفر کی یہ بے محابا شوخیاں کب تک (۲۴)

اسی طرح خیر مقدم ڈاکٹر انصاری کے زیرِ عنوان نظم کے چند اشعار دیکھیے:

تعین سے کچھ پتا ملتا ہے شیدایانِ ملت کا — کہ تم نے شلدِ السام کے مفتوں بھی دیکھے ہیں
جنونِ جوش اسلام کوئی سمجھا تو تم سمجھے — کہ تم نے لیلیِ اسلام کے مجنوں بھی دیکھتے ہیں
عجب کیا ہے یہ بڑا غرق ہو کر اچھل آئے — کہ ہم نے انقلاب چرخِ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں

اسی نظم کے ان اشعار سے پہلے کے دو شعر بھی دیکھنے کے ہیں:

تمھاری چشمِ عبرت گر خود ہم سے یہ کہتی ہے — کہ ہم نے وہ مصائب ہائے گوناں گوں بھی دیکھے ہیں
نگار آرائیاں دیکھی ہیں چشم ہائے گوہر افشاں کی — شہیدانِ وطن کے عارضِ گلگوں بھی دیکھے ہیں (۲۵)

ان اشعار میں فصاحت بھی ہے بلاغت بھی، سادگی بھی ہے، اصلیت بھی، جوش و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جنوں بھی ہے اور حکمت و دانش بھی ہے۔ بہر حال شبلی نے ہنگامی موضوعات پر جو شاعری خلق کی ہے، وہ Versification سے کہیں آگے کی ہے۔ اسے بڑی شاعری تو نہیں کہا جا سکتا مگر اچھی شاعری یقیناً کہا جا سکتا ہے۔

علامہ شبلی نے سیاسی واقعات اور مسلم یونیورسٹی کے مسئلے پر کئی طنزیہ نظمیں لکھی ہیں، مگر مسجد کانپور کے واقعہ پر ایک ایسی نظم کہی ہے جو برصغیر کی تاریخ اور اردو کی ادبی تاریخ دونوں سے منہا کرنا ممکن نہیں۔ اس کے چند شعر دیکھیں:

ہم آپ اپنا کاٹ کے رکھ دیتے ہیں جو سر لذت شناسِ ذوقِ دلِ ناصبور ہیں
کچھ پیر کہنہ سال ہیں دلدادہ فنا جو خاک و خوں میں بھی ہمہ تن غرقِ نور ہیں
پوچھا جو میں نے کون ہو تم آئی یہ صدا
ہم کشتگانِ معرکۂ کان پور ہیں (۲۶)

مولانا شبلی کی مسلم لیگ پر طنزیہ نظمیں بھی تعداد میں کافی ہیں اور معیار میں بھی فروتر نہیں۔ ایسے ہی مسلم یونیورسٹی ٹرسٹی بل کے مسئلے پر جب دو گروہ ہو گئے تو شبلی کی ہمدردیاں حریت پسند گروہ کے ساتھ تھیں علامہ نے اس مسئلے پر بھی بعض نظمیں لکھیں۔ یہ سب نظمیں خوش طبعی اور خوبصورت طنز کا بہت اچھا نمونہ ہیں۔ علامہ نے آخری عمر میں بہت سی سیاسی نظمیں لکھیں، اُن دنوں اُن کا تعلق حریت پسندوں سے بہت گہرا تھا۔ وہ لیگ کی مصلحت کوش سیاست کو طنز کا نشانہ بناتے اور دادِ فصاحت دیتے رہے۔ ایک نظم کا ایک ٹکڑا ملاحظہ ہو:

اُس کے آفس میں بھی ہر طرح کا ساماں ہے درس
جا بجا دفترِ پارینۂ احکام بھی ہے
چند بی۔اے ہیں سند یافتۂ علم و عمل
کچھ اسسٹنٹ ہیں کچھ حلقۂ خدام بھی ہے
ہو جو تعطیل میں تفریح و سیاست مقصود
سفر درجۂ اول کے لیے دام بھی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یہ تو سب کچھ ہے، مگر ایک گذارش ہے حضور
گرچہ یہ سوء ادب بھی ہے ابرام بھی ہے
مجھ سے چپکے سے مرے کان میں ارشاد ہو یہ
سال بھر حضرتِ والا کو کوئی کام بھی ہے (۲۷)

علامہ شبلی کی قومی اور سیاسی شاعری پر اس قدر طویل بحث کا حاصل یہ ہے کہ شبلی کی اردو شاعری اردو زبان کا قیمتی اثاثہ ہے۔ یہ تاریخ ادب سے کسی طور منا نہیں کی جاسکتی۔ اس کا بنیادی محرک مسلم تاریخ ہے اور یہ مسلم تاریخ کا کمال ہے کہ اُس سے تخلیقی تحریک حاصل کر کے اچھی شاعری خلق کی گئی، حالانکہ اردو شاعری شبلی کی بنیادی سرگرمی نہیں تھی، اُن کی شاعری پر مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ تبصرہ بہت بامعنی ہے:

''مولانا (شبلی) نے فارسیت کے ذوقِ اعلیٰ کے تحفظ کے ساتھ فکر و تخیل کے نئے نئے میدان پیدا کیے جن پر اُن کی قومی نظمیں گواہ ہیں۔'' (۲۸)

یقیناً مولانا کی قومی نظمیں اُن کے فکر و تخیل کی گواہ بھی ہیں اور مسلم تاریخ کی عظمت کی شاہد عادل بھی ہے۔ مولانا کے بعد سیاسی موضوعات پر نظمیں لکھنے کا رواج عام ہوا، مگر کوئی شاعر مشکل سے شبلی کی ہمسری کرسکا حتیٰ کہ ظفر علی خاں بھی شبلی کے ہمسر نہ ہوسکے۔

## حواشی

۱۔ سلیمان ندوی، سید، مولانا شبلی اردو کے لباس میں مشمولہ کلیاتِ شبلی، طبع چہارم، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۵۴ء، ص ۳

۲۔ اصغر عباس، پروفیسر، تعارف شبلی نعمانی کی غیر مدون پہلی تحریر، قومی زبان کراچی، دسمبر ۲۰۱۱، صفحہ ۵۷

۳۔ حیرت دہلوی، مرزا، مسدس حیرت، بحوالہ منشی عبدالعزیز، حیرت کی حیرانی، صفحہ ۱۴۶

۴۔ مولانا شبلی نعمانی، کلیات شبلی، صفحہ ۳۵

۵۔ ایضاً، ص ۵۲

۶۔ ایضاً، ص ۵۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۷۔ ایضاً، ص ۳۲
۸۔ ایضاً، ص ۳۴
۹۔ ایضاً، ص ۴۴
۱۰۔ ایضاً، ص ۱۰۶، ۱۰۷
۱۱۔ آل احمد سرور، شبلی کی اردو شاعری، سہ ماہی فکر ونظر، علی گڑھ، خصوصی شمارہ شبلی نمبر ۱۹۹۳ء، ص ۸
۱۲۔ مولانا شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ص ۷ و ص ۱۷
۱۳۔ ایضاً، ص ۱
۱۴۔ ایضاً، ص ۲
۱۵۔ ایضاً، ص ۳
۱۶۔ ایضاً، ص ۵
۱۷۔ ایضاً، ص ۴
۱۸۔ ایضاً، ص ۷
۱۹۔ ایضاً، ص ۹
۲۰۔ آل احمد سرور، حوالہ مذکور، ص ۱۰
۲۱۔ محمد نعمت اللہ، ریویو مثنوی صبح امید، مشمولہ: شبلی معاصرین کی نظر میں، مرتبہ ظفر احمد صدیقی ڈاکٹر، اردو پردیش اردو اکادمی، مطبوعہ ۲۰۰۵ء، ص ۲۷۲
۲۲۔ الف، ب، ج، مولانا شبلی عنمانی، حوالہ مذکور، ص ۲۸، ۲۹
۲۳۔ ایضاً، ص ۲۴
۲۴۔ ایضاً، ص ۵۴
۲۵۔ ایضاً، ص ۵۶
۲۶۔ ایضاً، ص ۸۷
۲۷۔ ایضاً، ص ۶۲
۲۸۔ ابوالکلام آزاد، مولانا، علامہ شبلی __ مجموعہ کمالات، مشمولہ: شبلی معاصرین کی نظر میں، مرتبہ: ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی، ص ۱۸۵

© rasailojaraid.com